بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات-ا

ہجرت، مشاورت اور اسلامی تحریکات

عبدالغفار عزیز

پورے ۱۴۳۶ سال گزر گئے، سیرتِ اطہرؐ کے تمام ابواب کی طرح بابِ ہجرت آج بھی سراسر بابِ رُشد و ہدایت ہے۔ ہجرت کے ایک ہی موڑ نے، اہل ایمان کو ظلم و عذاب سے نجات دلا کر، ایک حقیقی اسلامی انقلاب کی منزل سے آشنا کر دیا تھا۔ پھر یثرب، یثرب نہ رہا قیامت تک کے لیے ایک شہرِ روشن: 'مدینہ منورہ' میں بدل گیا۔ عناد و تکبر کے بت دیکھتے ہی دیکھتے رزق خاک ہوتے چلے گئے اور صرف آٹھ برس بعد قافلۂ حق جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ (حق آ گیا اور باطل رسوا ہو گیا) کا سرمدی ترانہ دہراتے ہوئے، بیت اللہ کو اپنے مخلصانہ سجدوں سے آباد کر رہا تھا۔

سفرِ ہجرت یقیناً قربانیوں کی ایک بے مثال و لازوال داستان ہے۔ مقصدِ حیات کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنا گھر بار، مال و متاع بلکہ اہل و عیال تک قربان کر دیے۔ سفرِ ہجرت، اللہ کی معیت و نصرت اور معجزاتِ نبیؐ کا ایمان افروز تذکرہ بھی ہے۔ غارِ ثور کی سرگوشی لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (فکر نہ کریں اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔ التوبہ ۹:۴۰)، اُم معبد کا خیمہ اور سراقہ کی سواری سب اس کی تفصیل سناتے ہیں۔ لیکن سفرِ ہجرت آپؐ کی عظیم منصوبہ بندی اور اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ (ان کے مقابلے کے لیے جتنی تیاری کر سکتے ہو ضرور کرو۔ انفال ۸:۶۰) کی جامع تفسیر بھی ہے۔ خون کے پیاسے دشمن ہی سے نہیں، ان کی طرف سے اعلان کردہ بڑی انعامی رقم کے لالچ میں ہر قدم پر ممکنہ دشمن سے خطرات لاحق تھے۔ آپؐ نے احتیاط و حذر، مناسب سواری، جاں نثار یارِ غار، صحرائی راستوں کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح

جاننے والے راہ نما، دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہ کرنے والے زیرک خبر رساں ___ گویا ایک ایک ضرورت کا اہتمام اور انتظام فرمایا تھا۔ پورا سفر خود اذنِ الٰہی سے شروع ہوا تھا، اللہ پر بھروسا اور اعتماد بھی آپؐ سے زیادہ کون کرسکتا تھا، لیکن انسان ہونے کے ناتے ہر وہ تیاری کی گئی جس کا تصور اس دور میں کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ منتظم ہی کرسکتا تھا۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی، تو وحی کے انداز و موضوعات بھی بدلتے گئے۔ اب دعوت و تربیت، ایک اُمت اور ایک ریاست میں بدل رہی تھی۔ انسانیت کو عقائد و عبادات کے ساتھ، معاشرت و ریاست کے تفصیلی احکام کی بھی ضرورت تھی۔ یہاں تک کہ ایک روز یہ بشارت مل گئی کہ ''آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے، اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے، اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے'' (المائدہ ۵:۳)۔ زندگی کا کوئی گوشہ رہنمائی کے بغیر نہیں چھوڑا گیا۔ خالق نے مخلوق کے حقوق بھی تمام تر جزئیات کے ساتھ بیان کردیے۔ یہ اعزاز و سرفرازی اتنی شان دار تھی کہ غیر مسلم بھی حسرت سے کہنے لگے: ''یہ آیت ہمارے لیے نازل ہوئی ہوتی تو ہم آج کا دن روزِ عید قرار دے دیتے''۔

اسی کامل و اکمل شریعت میں کئی اہم اُمور ایسے ہیں جن کے بارے میں اصولی رہنمائی دے کر بندوں کو فیصلے اور چناؤ کا اختیار دے دیا گیا۔ یہ بھی رحمٰن و رحیم پروردگار کی رحمت ہی کا ایک پرتو تھا، تاکہ بندے ہر بدلتے حالات میں اپنی سہولت اور ضرورت کے مطابق فیصلہ کرسکیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر فرائض عائد کردیے، انھیں ضائع نہ کرو۔ تمھارے لیے حدود متعین کردیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔ تمھیں کچھ چیزوں سے منع کردیا، ان کا ارتکاب نہ کرو۔ اور کچھ اُمور کے بارے میں اس نے بھولے بغیر اور رحم کرتے ہوئے سکوت اختیار فرمایا، ان کے بارے میں غیر ضروری تکلف میں پڑے بغیر انھیں قبول کرلو''۔

حکومت سازی اور انتقالِ اقتدار کا معاملہ بھی انھی اہم اُمور میں سے ایک ہے۔ اسلام میں کسی بھی طرح کی آمریت، ظلم و تعدی یا انتشار و فساد کی قطعاً کوئی گنجایش نہیں۔ مسلم معاشرے کا ہر شہری یکساں حقوق و مواقع رکھتا ہے۔ واضح حکم دے دیا گیا کہ: شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (ہر اہم کام میں ان سے مشورہ کیا کیجیے۔ آل عمران ۳:۱۵۹)۔ آپؐ اور آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ نے

اجتماعیت کے اس بنیادی حسن، شورائیت و مشاورت کا حق ادا کردیا۔ اللہ کا نبی اور صاحبِ وحی ہونے کے باوجود صحابہ کرامؓ نے اگر آپؐ کی رائے سے مختلف کوئی رائے رکھی، تو کامل اخلاص ومحبت سے اس کا اظہار کیا۔ آپ نے بھی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ان کی آرا کو تسلیم کیا۔ بدر میں پڑاؤ اور اُحد کے میدان کا انتخاب جیسے درجنوں واقعات اس مشاورتی عمل کی روشن مثالیں پیش کرتے ہیں۔ آپؐ کی رحلت کے بعد انتقالِ اقتدار کا مرحلہ آپؐ کی تربیت اور قرآنی تعلیمات پر عمل درآمد کا پہلا کڑا امتحان تھا۔ یہی صورت خلیفۂ اول اور ان کے بعد آنے والوں کو درپیش آئی۔ آیئے! یہاں چاروں خلفاے راشدین کے انتقالِ اقتدار کے واقعات مختصراً تازہ کرلیں۔

● سرورِ عالمؐ نے مختلف مواقع پر بالخصوص اپنی آخری علالت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنا نائب مقرر کرکے اپنے بعد ذمہ داری کی جانب واضح اشارات دے دیے تھے۔ آپؐ کی رحلت کے بعد انصار و مہاجرین نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوکر اس مرادِ نبیؐ کی عملی تکمیل کردی۔ اگرچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ ابن الجراح کا نام پیش کیا تھا، بعض صحابہ کی طرف سے حضرت سعد بن عُبادہ کا نام بھی پیش کیا گیا، لیکن بالآخر سب کا اجماع حضرت صدیق اکبرؓ ہی پر ہوا۔ انھوں نے اس وقت بھی اور بعد میں بھی کئی بار اس ذمہ داری سے معذرت کی لیکن لوگوں نے یہی جواب دیا: ''آپ رسول اکرمؐ کے یارِ غار ہیں، ثانی اثنین ہیں، آپ ہی پر اتفاق ہے''۔

● حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دنیا سے رخصت ہونے سے قبل صحابہ کرامؓ کو باہم مشاورت سے اپنا خلیفہ چُن لینے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ''زیادہ بہتر ہوگا کہ آپ میری زندگی ہی میں کسی کو اپنا امیر و سربراہ بنالیں، تاکہ بعد میں کوئی اختلاف نہ ہو''۔ صحابۂ کرامؓ نے آپ ہی سے رہنمائی چاہی اور کہا: اے خلیفۂ رسولؐ! ہماری رائے بھی وہی ہوگی جو آپ کی ہوگی۔ آپؓ نے یہ سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ اور دیگر کئی حضرات سے ملاقاتیں کیں، اپنے نمایندے بھیج کر رائے عامہ کا بھی جائزہ لیا۔ آپ سب سے دریافت فرماتے رہے کہ: ''عمرؓ بن الخطاب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' ایک صحابی حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کے سوا باقی سب نے عرض کی کہ آپ کے بعد ان سے بہتر کوئی ہستی، اُمورِ ریاست نہیں چلا سکتی۔ حضرت طلحہؓ کا کہنا تھا کہ وہ بہت سخت مزاج ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے

فرمایا: ''وہ مجھے نرم مزاج دیکھتے ہیں اس لیے خود سخت موقف اپناتے ہیں۔ ذمہ داری اپنے سر آن پڑے گی، تو بہت تبدیل ہونا پڑے گا''۔ تمام اہل حل وعقد سے اس مشاورت کے بعد انھوں نے ایک تحریر تیار کروائی۔ دنیا سے جاتے ہوئے آخری اور آخرت کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے یہ ابوبکر بن قحافہ کا پہلا عمل ہے۔ ان کا حسب ذیل تحریری فیصلہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا گیا:

''میں نے اپنے بعد عمر بن الخطاب کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ ان کی بات سنیں اور ان کی اطاعت کریں۔ میں نے اللہ، اس کے رسول، اس کے دین اور خود اپنی بھلائی کے لیے بہترین فیصلہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھا۔ اگر انھوں نے انصاف سے کام لیا تو ان کے بارے میں میرا یہی گمان اور علم ہے۔ اور اگر وہ اس رائے سے مختلف نکلیں، تو ہر شخص اپنے کیے کا خود ذمہ دار ہے، مجھے کوئی علم غیب نہیں۔ کیا آپ بھی انھیں تسلیم کرتے ہیں جنھیں میں نے اپنے بعد آپ لوگوں کا خلیفہ بنایا ہے؟'' تمام صحابہ کرام نے بالاجماع اسے تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔

● حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت بھی نہ صرف شورائیت، آزادیِ اختیار اور للّٰہیت کی یہی حقیقی روح پوری طرح کارفرما دکھائی دی، بلکہ آپ نے پہلی بار ایک باقاعدہ انتخابی کمیشن قائم کر دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن ۱۰ صحابہ کرامؓ کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی (عشرۂ مبشرہ) ان میں سات ہستیاں اس وقت مدینہ میں تھیں۔ آپ نے اپنے قبیلے بن عدی سے تعلّق رکھنے والے حضرت سعید بن زید کو چھوڑ کر، باقی چھے جلیل القدر ہستیوں پر مشتمل انتخابی مجلس تشکیل دیتے ہوئے فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد آپ حضرات تین دن کے اندر اندر مشاورت کا عمل مکمل کر کے جن پر آپ کا اتفاق ہو جائے سربراہ بنالیں۔ حضرت ابوطلحہ الانصاریؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ کو انتخابی عمل کی نگرانی کے لیے مقرر کرتے ہوئے، انھیں اپنے ساتھ ۵۰ صحابہ کرامؓ پر مشتمل ایک فورس تیار رکھنے کا حکم دیا، تاکہ ایسے حالات میں کہ جب اسلامی ریاست چہار اطراف میں وسعت پا چکی ہے، خلیفہ کا منصب خالی پا کر کسی دشمن کو فتنہ سازی یا انتخابی عمل سبوتاژ کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اس مشاورتی عمل کو مزید غیر جانب دار بنانے کے لیے آپ نے حضرت صہیب رُومیؓ کو حکم دیا کہ اس دوران میں وہ مسجد نبویؐ میں امامت کے فرائض انجام دیں۔ مبادا اگر ان جلیل القدر چھے ہستیوں میں سے کسی کو امامت کے لیے کہا، تو اسے ان کے لیے

ترجیح و تائید نہ سمجھا جائے۔ انتخابی کمیشن نے طویل مشاورت کی۔ مدینہ منورہ کے گلیوں بازاروں میں جا کر عام شہریوں، حتیٰ کہ خواتین اور غلاموں تک سے رائے پوچھی گئی۔ جوں ہی رائے دہی کے یہ تین روز مکمل ہوئے، ۴ محرم کی فجر کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اعلان کیا کہ اکثریت کی رائے حضرت عثمان بن عفانؓ کے حق میں ہے۔ اس موقعے پر سب سے پہلے حضرت علیؓ نے اور پھر باقی تمام صحابہ کرامؓ نے تیسرے خلیفۂ راشد کی بیعت کر لی۔

● جب حضرت عثمانؓ خوارج کے ہاتھوں اچانک شہید کر دیے گئے، تو تمام صحابہ کرامؓ کی نگاہیں حضرت علیؓ بن ابی طالب کی جانب اُٹھیں۔ آپ نے اصرار کرنے والوں کو دوٹوک انداز میں فرمایا: ''مجھے سربراہ نہ بنائیں۔ میں تمھارے لیے امیر کی نسبت وزیر کی حیثیت سے زیادہ بہتر ثابت ہوں گا''۔ صحابہؓ نے اصرار کیا تو فرمایا: ''اگر آپ مصر ہیں تو پھر جان لیں کہ چپکے سے نہیں، میری بیعت کرنا ہے تو مسجد جا کر بیٹھتا ہوں مشورے اور اہل اسلام کی رضامندی کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بالاجماع سب نے آپ کی بیعت کی۔ خود حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے وقت بھی، ان کے بعد سب سے زیادہ آرا حضرت علیؓ ہی کے لیے تھیں۔

بظاہر ان چاروں خلفاے راشدین کے لیے طریق انتخاب مختلف رہا، لیکن سب نے اسلامی تعلیمات کی بنیادی روح، یعنی آزادانہ رائے اور شورائیت کی اعلیٰ مثالیں پیش کیں۔ ان سب قدسی نفوس نے ہمیشہ خود کو عوامی عدالت میں پیش کیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے الفاظ میں کہا: ''میں آپ کا ذمہ دار بنایا گیا ہوں لیکن تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر اللہ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کریں اور اگر غلطی کروں تو میری اصلاح کر دیں''۔ اس ضمن میں صحابہ کرامؓ اس قدر دوٹوک اور بیدار تھے کہ ایک خاتون نے بھی راہ چلتے خلیفۂ راشد کو روک کر کہا: آپ نے کیسے یہ فرمان جاری کر دیا کہ خواتین کے لیے حق مہر کی رقم ایک متعین حد سے زیادہ نہیں ہوسکتی حالانکہ خود قرآن کریم ڈھیروں کے ڈھیر مہر ہوسکنے کا ذکر کرتا ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ خلیفہ تھے کہ کئی مواقع پر ان کی رائے کی توثیق خود وحی الٰہی نے کی تھی۔ آپ چند لمحے سوچ کر بولے: أَصَابَت اِمرَاَۃٌ وَ أَخطَأَ عُمَر (ایک خاتون کی رائے درست ہے اور عمر کی رائے غلط)۔ حق مہر کی رقم محدود کر دینے کا فیصلہ واپس لے لیا گیا۔ پورا دور خلافت راشدہ آزادیِ رائے اور حقیقی جمہوریت کی ایسی

لاتعداد مثالوں سے درخشاں ہے۔ رسول اکرمؐ نے بھی اس درخشندہ دورِ خلافت راشدہ کی بشارت دیتے ہوئے اسے انسانیت کے لیے رول ماڈل قرار دیا تھا۔ ''آپ نے مختلف فتنوں سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''آپ لوگوں میں سے میرے بعد جو زندہ رہا، وہ معاشرے میں بہت سارے اختلافات دیکھے گا۔ ایسے میں آپ لوگ میری اور میرے بعد آنے والے سراپا ہدایت خلفاے راشدین کی سنت کی پیروی کیجیے گا۔ اسے مضبوطی سے تھامے رکھیے گا''۔(صححہ الالبانی)

۱۴۳۶ سالوں پر مشتمل تاریخ شاہد ہے کہ اس پورے عرصے میں جو معاشرہ جتنا جتنا اس سرچشمۂ خیر سے قریب رہا، اتنا ہی کامران ہوا۔ شورائیت، احترامِ آدمیت، امانت اور عدل و رحمت کے اس درست ترین پیمانے سے جو بھی اور جتنا بھی دُور ہوا اتنا ہی برباد و بے آبرو ہوتا چلا گیا۔ تاریخ کے تمام ادوار اور زندگی کے باقی تمام ابواب ایک طرف رکھ کر، ہم اگر عہد حاضر کے مختلف نظام ہاے حکومت ہی پر نگاہ دوڑائیں، تو صرف وہی نظام سرخرو ثابت ہوگا کہ جس میں ان بنیادی اسلامی تعلیمات کی روح کارفرما ہوگی۔ شورائیت، احترامِ آدمیت، امانت اور عدل و رحمت کا نظام رائج ہو تو غیرمسلم معاشرے بھی امن و خوش حالی کی اعلیٰ مثالیں بن کر دنیا کے سامنے آنے لگتے ہیں۔

● **اسلامی تحریکوں کی جدوجہد:** دورِ حاضر میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی تحریکات کو یہ توفیق بخشی کہ وہ خود بھی اسی اسوۂ نبویؐ اور دورِ خلافت راشدہ پر عمل پیرا ہوں اور معاشرے کو بھی اسی راہ پر چلانے کی کوشش کریں۔ گذشتہ صدی میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور امام حسن البناؒ کے ہاتھوں دو عظیم الشان تحریکات کی بنیاد رکھی گئی۔ دونوں تحریکات کا نظام دیکھیں تو ہزاروں میل کی مسافت ہونے اور دونوں میں کوئی رابطہ نہ ہونے کے باوجود، دونوں میں ایک معجزاتی مماثلت دکھائی دیتی ہے۔ دونوں تحریکات مکمل شورائیت پر کارفرما ہیں۔ سمع و طاعت کے عظیم نظام کے باوجود امیر یا مرشدِ عام مکمل طور پر اپنی مجلس شوریٰ کی پابندی کرتے ہیں۔ دونوں تحریکات میں کسی وراثتی نظام کا شائبہ تک نہیں۔ سید مودودیؒ اور امام البناؒ کے بعد آنے والی قیادت کا ان سے دُور دُور تک کوئی وراثتی رشتہ ناتہ نہیں ہے۔ دونوں تحریکات میں امانت، شفافیت اور خود احتسابی کا ایسا نظام نافذ ہے کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ دونوں تحریکات تمام تر علاقائی، لسانی یا فرقہ وارانہ تعصبات سے پاک اور پوری اُمت کو جسد واحد کی صورت دیکھتی ہیں۔ دونوں تحریکیں دینِ اسلام کو محدود اور

ظاہری رسوم نہیں زندگی کے تمام گوشوں پر محیط مکمل ضابطہء حیات سمجھتی ہیں۔ کسی حملہ آور یا قابض دشمن سے نبرد آزما ہونا ہو، تو دونوں تحریکوں نے فلسطین، کشمیر، مشرقی پاکستان اور افغانستان میں جہاد و قربانی کی بے مثال تاریخ رقم کی۔ امام حسن البنّا کو شہید ہی اس لیے کیا گیا کہ انھوں ۱۹۴۸ میں سرزمین قبلۂ اول پر قبضہ کیے جانے اور وہاں نام نہاد اسرائیلی ریاست بنائے جانے کی پُرزور مخالفت کی تھی۔ کشمیر میں سید علی گیلانی اور ان کے تحریکی ساتھی وہاں کے عوام کے اصل ترجمان ہیں۔ غزہ میں آج بھی تحریک حماس ہی آزادی اقصیٰ کے لیے کوشاں سب سے بڑی قوت ہے۔

دوسری جانب جب آزاد اور پُرامن معاشروں میں اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلتے ہوئے اسلامی ریاست قائم کرنے کی بات ہو تو یہ تحریکیں مکمل طور پہ پُرامن جدوجہد پر یقین رکھتی ہیں۔ ان کی قیادت اور کارکنان کو پھانسیوں پر چڑھا دیا گیا اور چڑھایا جا رہا ہے۔ ان کے کارکنان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ مصر، شام، بنگلہ دیش اور یمن سمیت کئی ممالک میں آج بھی ان تحریکوں کے ایک لاکھ سے زائد کارکنان جیلوں میں عذاب و اذیت سہ رہے ہیں، لیکن کسی بھی جگہ انھوں نے دل و دماغ پر دعوت کی دستک دینے کے بجاے، بم دھماکوں یا اپنے مخالفین کو ذبح کر دینے کی بات نہیں کی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تین نکات کی صورت دوٹوک اصول واضح کر دیے:

۱- آپ اس ملک میں اسلامی نظام زندگی عملاً قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے قیادت کی تبدیلی ناگزیر ہے۔

۲- آپ جس ملک میں کام کر رہے ہیں وہاں ایک آئینی و جمہوری نظام قائم ہے اور اس نظام میں قیادت کی تبدیلی کا ایک ہی آئینی راستہ ہے: انتخابات۔

۳- ایک آئینی و جمہوری نظام میں رہتے ہوئے تبدیلی قیادت کے لیے کوئی غیر آئینی راستہ اختیار کرنا شرعاً آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔

اور پھر فرمایا: ''ان تین حقیقتوں کو ملا کر جب آپ غور کریں گے تو بالکل منطقی طور پر وہی نتیجہ نکلے گا جو قرارداد میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ انتخابات میں آج حصہ لیں یا ۱۰، ۲۰، ۵۰ برس بعد، بہرحال اگر آپ کو یہاں کبھی اسلامی نظام زندگی قائم کرنا ہے تو راستہ آپ کو انتخابات ہی کا اختیار کرنا پڑے گا''۔

رب ذوالجلال کی مشیت ان اسلامی تحریکات کو ایک اور طرۂ امتیاز عطا کرتی ہے۔ مصر، شام،

بنگلہ دیش، فلسطین یا ترکی و یمن کی جیلیں ہوں یا وہاں کے پھانسی گھاٹ اور عقوبت خانے، جتنا جتنا ان تحریکات کو کچلنے کی کوشش کی گئی اور کی جارہی ہے، ان تحریکات کو اللہ نے مزید قوت و اہمیّت عطا کی ہے۔ وہ تحریک جسے مصر اور پاکستان ہی میں نابود کرنے کی کوشش کی جارہی تھی، آج نہ صرف پورے عالم اسلام بلکہ غیر مسلم ممالک میں بھی مضبوط و توانا وجود رکھتی ہے۔ ۱۹۴۹ء میں امام حسن البنّاؒ کو شہید کر کے ساری تحریکی قیادت جیلوں میں بند کر دی گئی۔ جیلوں اور شہادتوں کا یہ سلسلہ تب سے لے کر آج تک جاری ہے۔ ۲۰۱۱ء میں پہلی بار اخوان کو برسرِ اقتدار آ کر قوم کی رہنمائی و نمایندگی کا موقع ملا تو ساری دنیا نے دیکھا کہ وہ جو ہزاروں کی تعداد میں جیلوں میں گئے تھے، اب صرف مصر میں ان کی تنظیمی افرادی قوت ۲۰ لاکھ سے متجاوز ہے۔ تقریباً یہی عالم دیگر مسلم ممالک میں ہے۔

ترکی میں ملّی نظام پارٹی، ملّی سلامت پارٹی، رفاہ پارٹی اور پھر فضیلت پارٹی پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ لیکن آج ان پابندیوں اور گرفتاریوں کا شکار رہنے والی قیادت ہی ترکی میں اصلاح و استحکام کی شان دار مثالیں قائم کر رہی ہے۔ بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی نے کبھی انتخابی نتائج میں وہ سرخروئی حاصل نہیں کی تھی، جو جیلوں میں رہ کر حالیہ بلدیاتی انتخابات میں حاصل کی ہے۔ خاکم بدہن بہت ممکن ہے کہ یہ پرچہ آپ تک پہنچنے تک علی احسن مجاہد (سیکریٹری جنرل جماعت اسلامی بنگلہ دیش) کی شہادت کی روح فرسا خبر بھی پہنچ جائے، لیکن پیچھے رہ جانے والوں سے زیادہ، ان آگے جانے والوں کو یقین ہے کہ ان کی یہ قربانیاں بالآخر شورائیت پر مبنی حقیقی جمہوریت کے قیام کی بنیاد بنیں گی۔ رہ گئیں ان کی قربانیاں، تو دنیا میں ہر آنے والے کو بہرحال واپس جانا ہے، اور شہادت کی سعادت کے لیے خود رسولِ رحمت اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ تمنا اور دُعائیں کرتے رہے۔

یہ حقیقت بھی کسی کی نظروں سے اوجھل نہیں رہنی چاہیے کہ مادر پدر آزاد معاشروں کی مغربی جمہوریت اور سر پہ 'حاکمیت اعلیٰ' کا تاج سجائے مسلمان ممالک کے تصورِ جمہوریت میں ایک جوہری فرق ہے۔ مغربی ممالک کا جمہوری نظام اس حوالے سے یقیناً باعث رشک ہے کہ اس میں اب بھی کرپشن، دھاندلی، ہارس ٹریڈنگ، غنڈا گردی اور جعل سازی کا عنصر قدرے محدود ہے، جب کہ مصر، بنگلہ دیش اور پاکستان جیسے ممالک میں یہ سب خرابیاں اور انتخابات لازم و ملزوم سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن ان سب مفاسد کے باوجود مسلم ممالک، اپنی مجالس شوریٰ، یعنی ایوان ہاے اسمبلی کے ذریعے

اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہنے کے پابند ہیں۔ مثال کے طور پہ کوئی مسلم معاشرہ اہل مغرب کی طرح اس بہیمیت و حیوانیت کی سطح تک گرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ عورتوں کی عورتوں اور مردوں کی مردوں سے شادی کو جائز و ممکن قرار دینے جیسے جرائم کا ارتکاب کر سکے۔ اصل سوال البتہ یہ ہے کہ مروجہ نظام راے دہی، یعنی انتخابی عمل کی خامیوں سے نجات کیسے حاصل کی جائے؟

افسوس ناک امر یہ ہے کہ جب اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی تو نظام سے زیادہ خود اپنی اور اپنے معاشرے کی خامیاں سامنے آئیں گی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور سکھایا تھا: نَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ، ہم تیرے نافرمان ہر شخص کی اطاعت کا قلادہ اتارنے اور اسے چھوڑنے کا اعلان کرتے ہیں''۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے تھے: ''جس نے کسی فاجر کو اپنا ذمہ دار چنا تو وہ بھی اسی کی طرح کا فاجر ہے''۔

امام غزالی احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں فرماتے ہیں: ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا کے بغیر دین پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ حکومت اور دین جڑواں چیزیں ہیں۔ دین اصل اور اقتدار نگہبان ہے۔ جس عمارت کی اصل و بنیاد نہ ہو، وہ ڈھے جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ ضائع ہوجاتا ہے''۔ امام احمد بن حنبل نے کہا تھا ''اگر میری ایک ہی دُعا قبول ہونی ہوتی تو میں وہ دُعا حکمران کی اصلاح کے لیے کرتا''۔ لیکن اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا دعوے دار ہمارا معاشرہ صرف آپ کی ولادت و بعثت و ہجرت اور مختلف صحابہ کرامؓ کی شہادت کے ایام منانے ہی کو دین کی اصل معراج قرار دیتا ہے۔ انتخاب و اقتدار کو محض ایک کھیل تماشا، اور مفادات کی غلیظ جنگ بنا دیا گیا ہے۔ اس پوری جدوجہد کو دینی فریضہ اور عبادت سمجھنے والوں کی اکثریت بھی اس کے تقاضے پورے کرنے کے بجاے اپنے محدود دائرے میں مخصوص سرگرمیوں پر اکتفا کر کے خود کو بری الذمہ قرار دیے بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت اور آپؐ کی سراپا عمل و جہاد حیاتِ طیبہ کا ذکر تو کرتے ہیں، لیکن خود آپؐ کے نقوش پا کی پیروی کرنے کا مرحلہ آئے تو صرف طفل تسلیوں سے دل بہلاتے ہیں۔ ان کا زیادہ وقت اخبارات، ٹی وی کے تبصروں، باہمی پسند و ناپسند اور گروہ بندیوں اور افراد کی غلطیوں کی بنا پر پوری تحریک کو مطعون کرتے ہوئے مایوسی پھیلانے کی نذر ہوجاتا ہے۔

بعثت کا اعزاز ملنے کے بعد سے لے کر وصال تک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لمحوں کے لیے بھی اس فریضے کو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ مکہ والوں میں سے کوئی ایک بھی فرد ایسا نہ چھوڑا جس تک آپ نے اپنی دعوت نہ پہنچائی۔ قریبی شہروں میں بھی تشریف لے گئے اور مکہ آنے والے ایک ایک قافلے اور قبیلے کے پاس جا کر انھیں اس قافلۂ حق میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ بالآخر ایک شب یثرب کے چھے مبارک نفوس ابتدائی قبولِ دعوت کے بعد واپس چلے گئے۔ اگلے برس موسم حج میں وہ دُگنے (۱۲) ہوکر آئے۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ ہوئی۔ اس سے اگلے برس (۷۵) (چھے گنا سے بھی زیادہ) ہوگئے۔ آپ نے ان کے ۱۲ نقیب مقرر کر کے گویا انھیں ۱۲ ذیلی تنظیموں کی لڑی میں پرو دیا۔ چند ہی ماہ بعد پورا یثرب آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگا۔ اور پھر ایک وقت یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا منظر نصیب ہوگیا۔

آج ہمارا کام تو نسبتاً آسان ہے۔ ہم نے کسی کو اس کے دینِ آبا سے نکال کر دائرۂ اسلام میں داخل نہیں کرنا۔ ہم نے انھیں صرف حقیقتِ اسلام بتانی اور یاد دلانی ہے۔ خصوصی طور پر قرآن کی چار بنیادی اصطلاحوں دین، عبادت، رب اور الٰہ کا حقیقی مفہوم بتانا ہے۔ رسولؐ و بتولؓ کے جگرگوشے نے اپنے نانا کی قائم کردہ اور خلفاے راشدین کی امانت اسلامی ریاست اور نظامِ حکومت کی حفاظت کی خاطر، کربلا میں جو عظیم قربانی پیش کی تھی، اس کے اصل مقصد سے آشنا کروانا ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے بھی یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کر کے اس کے حق میں اپنا ووٹ دینے سے انکار ہی تو کیا تھا۔ آج ہمیں اپنے معاشرے اور اس سے پہلے خود کو یہ فرمانِ الٰہی یاد دلانا ہے کہ وَلَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ ۝ (ھود ۱۱:۱۱۳) ''ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے''۔

ہم نے اپنے حصّے کا یہ کام کرلیا، بلااستثنا معاشرے کے ہر فرد تک پہنچنے اور انھیں قافلۂ حق میں شریک کرنے کا آغاز کر دیا تو ان شاء اللہ بہت جلد ایک اور فرمانِ الٰہی ہمیں بشارت دے رہا ہوگا: وَ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الروم ۳۰: ۴۷) ''اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں گے''۔